19 ۔ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

شعر 1۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

مفہوم : اے نادان دل! تُو عشق کی کیفیت میں کیوں مبتلا ہو گیا ہے کیوں کہ اس کیفیت سے پیدا ہونے والا درد تو ہمیشہ سے ہی لاعلاج رہا ہے۔

تشریح:۔

غالبؔ ہر دور کے اہم شاعر ہیں۔ان کی اردو غزل مضامین کی رنگارنگی، تخیل کی بلندی، آفاقیت اور جدتِ ادا کی بدولت اعلیٰ پائے کی ہے۔ان کی یہ غزل سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے جس میں انھوں نے استفہام کے استعمال سے کلام میں اثر و تاثیر اور حُسن و دل کشی پیدا کی ہے۔

اس شعر میں مرزا غالبؔ اپنے دل کو نادان کہتے ہیں کیوں کہ اس نے عشق میں گرفتار ہونے کی نادانی کی ہے۔اس نادانی کے بعد وہ دل سے ہی پوچھتے ہیں کہ اب وہ جس درد کی کیفیت میں مبتلا ہو چکا ہے اس میں راحت اور قرار پانے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

"عشق قربِ حسن کی خواہش کا نام ہے اور درد اس کیفیت کو کہتے ہیں جو عاشق فراقِ محبوب اور آرزوئے وصال میں محسوس کرتا ہے"

دراصل عشق ایک کشش مقناطیسی ہے جس کے تحت عاشق کے دل میں محبوب کی طلب و تمنا اور اس کا شوق اس قدر پیدا ہوتا ہے کہ وہ شب و روز اسی کے خیال میں رہتا ہے۔وصال سے کبھی سیر نہیں ہوتا جب کہ فراق میں بے قرار اور مضطرب رہتا ہے اور بار بار وصالِ محبوب کی خواہش کرتا ہے۔محبوب سے بار بار وصل کی اسی خواہش اور تڑپ کا نام درد ہے۔اس کیفیت میں عاشق کسی کروٹ چین نہیں پاتا ہے۔گویا اس کا یہ درد لاعلاج ہوتا ہے۔غالبؔ بھی عشق کے اسی مقام پر ہیں کیوں کہ جب انھیں کسی بھی حالت میں تسکین حاصل نہیں ہوتی ہے تو وہ اپنے ہی دل سے پوچھتے ہیں کہ اے دل! اب تُو ہی بتا کہ میں اس درد کا کیا علاج کروں کیوں کہ تُو نے ہی عشق میں گرفتار ہونے کی نادانی کے باعث مجھے یہ درد دیا ہے۔

درد ہو دل میں تو دوا کیجیے
دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجیے

شعر 2۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے

مفہوم : یا الٰہی! یہ معاملہ ناقابل سمجھ ہے کہ میں تو محبوب کو اس قدر شدت سے عشق کروں لیکن وہ مجھ سے بیزاری ظاہر کر دی۔

تشریح:۔

غالبؔ ہر دور کے اہم شاعر ہیں۔ ان کی اردو غزل مضامین کی رنگارنگی، تخیل کی بلندی، آفاقیت اور جدتِ ادا کی بدولت اعلیٰ پائے کی ہے۔ ان کی یہ غزل سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے جس میں انھوں نے استفہام کے استعمال سے کلام میں اثر و تاثیر اور حُسن و دل کشی پیدا کی ہے۔

اس شعر میں محبوب شاعر سے بیزار ہے جب کہ شاعر محبوب کی بیزاری سے بیزار ہو کر خدا سے التجا کرتا ہے۔ عاشق و محبوب کے درمیان اس طرح کی کشمکش ایک فطری بات ہے کیوں کہ عاشق کی محبوب کے لیے طلب و تمنا کبھی ختم نہیں ہوتی جب کہ محبوب عاشق کے عشق اور صبر کے امتحان کے لیے اسے حالتِ فراق میں رکھتا ہے۔

''عشق ایک کشش مقناطیسی ہے جو کسی کو کسی کی جانب کھینچتی ہے۔''

عاشق حُسن و خوبی کی ایک جھلک دیکھ کر محبوب کی جانب کھنچا چلا جاتا ہے۔ وہ اس کا قرب چاہتا ہے اور دل کے جذبات و کیفیات کا اظہار اس کے رُو برو چاہتا ہے۔ وہ ہر لمحہ وصل میں گزارنا چاہتا ہے اور وہ محبوب سے بھی اسی طرز کی توقع چاہتا ہے۔ لیکن محبوب عاشق کے برعکس ہے۔ وہ معشوق ہے اس سبب سے، اس میں چاہے جانے کا ایک احساس ہے۔ اس میں ادائیں ہیں۔ اس میں ناز و نخرہ ہے۔ اس میں شوخی ہے اس لیے وہ عاشق کو ستاتا ہے، آزماتا ہے، تڑپاتا ہے اور بیزاری دکھاتا ہے تاکہ اور بھی زیادہ چاہا جائے۔ لیکن عاشق کے قرب کی خواہش کبھی ختم نہیں ہوتی اور وہ ہر لمحہ تقرب کی فریاد میں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر نے بھی تقرب کے لیے سب جتن کر دیکھے اور جب کچھ نہ بن پڑا تو پھر خدا سے التجا اور فریاد کی کہ اس کا محبوب اس سے اس طرح کا رویہ کیوں روا رکھے ہوئے ہے

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

شعر 3۔

میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

مفہوم : اے محبوب ! میں تم سے کلام کرنے کا شدید خواہش مند ہوں اس لیے مجھے بھی کبھی ہم کلام ہونے کی اجازت دیں۔

تشریح:۔

غالبؔ ہر دور کے اہم شاعر ہیں ۔ان کی اردو غزل مضامین کی رنگا رنگی ،تخیل کی بلندی ،آفاقیت اور جدتِ ادا کی بدولت اعلیٰ پائے کی ہے۔ان کی یہ غزل سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے جس میں انھوں نے استفہام کے استعمال سے کلام میں اثر و تاثیر اور حُسن و دل کشی پیدا کی ہے۔

اس شعر میں غالبؔ نے محبوب سے ہم کلام ہونے اور دل کے جذبات و کیفیات کا محبوب کے روبرو اظہار کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے اور ساتھ ہی محبوب کی عدم توجہی کا شکوہ بھی کیا ہے۔ درحقیقت عاشق محبوب کی طلب و تمنا رکھتا ہے۔ وہ ہر لمحہ وصل میں گزارنا چاہتا ہے اور دل کے جذبات و کیفیات کا محبوب کے رُوبرو اظہار کرنا چاہتا ہے۔ وہ محبوب کی توجہ چاہتے ہوئے اس سے بھی اسی طرز کی توقع رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ

''دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی''

لیکن محبوب کا انداز عاشق کی توقعات کے متضاد ہے۔ وہ معشوق ہے اور اس میں چاہے جانے کی ایک شانِ بڑائی ہے۔ وہ اپنی اداؤں سے عاشق کا دل لُبھاتا ہے لیکن قرب اختیار نہیں کرتا۔ وہ عاشق کو وصل کے لیے اکساتا ہے لیکن فراق میں رہتا ہے۔ وہ عاشق کو اپنی شوخیوں سے تڑپاتا ہے لیکن اس پر نظرِ التفات نہیں رکھتا۔ وہ عاشق کو اپنی بارگاہ میں آنے کی اجازت دیتا ہے لیکن ہم کلام نہیں ہوتا۔ وہ سب کچھ بولتا ہے لیکن عاشق کو زبان بندی کے لیے کہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ غالبؔ اپنے محبوب سے اپنی زبان بندی کا شکوہ کرتے ہیں۔ وہ بارگاہِ محبوب میں ہیں لیکن زبان بندی کا حکم ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خود سے مخاطب ہیں کہ کاش محبوب اس کی طرف بھی نظرِ التفات کرے اور وہ بھی اس کے رُوبرو اپنے دل کے جذبات و کیفیات کا اظہار کریں۔ لیکن زبان بندی کے حکم کی وجہ سے رُوبرو ہو کر بھی بولنے سے قاصر ہیں۔

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

شعر 4۔

هم کو ان سے ، وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے ، وفا کیا ہے

مفہوم : مجھے انتہا درجے کے بے وفاؤں سے وفا کی توقع ہو چلی ہے۔

تشریح:۔

غالبؔ ہر دور کے اہم شاعر ہیں ۔ان کی اردو غزل مضامین کی رنگا رنگی ،تخیل کی بلندی ،آفاقیت اور جدتِ ادا کی بدولت اعلیٰ پائے کی ہے ۔ان کی یہ غزل سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔جس میں انھوں نے استفہام کے استعمال سے کلام میں اثر و تاثیر اور حُسن و دل کشی پیدا کی ہے۔

اس شعر میں غالبؔ اپنے محبوب کو بہت بڑا بے وفا کہتے ہیں لیکن پھر بھی اس سے وفا کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔قول ہے:

''محبوب اس ذات کو کہتے ہیں ،جس کے قرب کی تمنا کبھی ختم نہیں ہوتی اور امید اس خوشی کا نام ہے
جس کے انتظار میں غم کے ایام کٹتے ہیں''

حقیقت میں عشق ایک کششِ مقناطیسی ہے جس کے تحت عاشق محبوب کی جانب کھنچتا ہے ۔اس لیے وہ ہر حال میں محبوب کی تمنا اپنے دل میں لیے ہوتا ہے ۔وہ محبوب کی جفائیں سہتا ہے ۔وہ اس کے ستم پر صبر کرتا ہے ۔وہ زمانے کی سختیوں سے نبرد آزما ہوتا ہے ۔وہ تکلیفیں اور اذیتیں جھیلتا ہے ۔وہ جہان کی تہمتیں اور ملامتیں اپنے سر لیتا ہے مگر محبوب کی طلب و تمنا اور قرب کی خواہش کبھی دل سے نہیں نکالتا ہے اور اپنے آپ میں پُر امید رہتا ہے ۔امید بھی عاشق کے مزاج کی ایک کیفیت ہوتی ہے لیکن محبوب کا مزاج بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے۔

شاعر کے محبوب کا مزاج بھی شاعر کے مزاج کے بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔تبھی تو شاعر نے یہ شکوہ کیا ہے کہ اس کا محبوب خیر طلبی ،بھلائی یا وفا کے عمل سے واقف ہی نہیں ہے۔محبوب کا عاشق کی توقعات کے برخلاف ہونا بے وفائی ہے ۔شاعر کا محبوب بھی شاعر کی وابستہ توقعات کے بالکل برخلاف ہے اس لیے بے وفا ہے ۔لیکن وہ جتنا بھی بے وفا کیوں نہ ہو، بہر حال شاعر کو اس سے وفا کی امید ہے ۔بقول ناصر کاظمی

یہ رات تمھاری ہے چمکتے رہو تارو
وہ آئیں یا نہ آئیں امید نہ ہارو

شعر 5۔

ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

مفہوم : مجھ درویش کی صدا فقط اتنی ہے کہ اوروں سے بھلائی سے پیش آیا کرو تا کہ خدا تمھارے ساتھ بھلائی کرے۔

تشریح:۔

غالبؔ ہر دور کے اہم شاعر ہیں۔ان کی اردو غزل مضامین کی رنگارنگی، تخیل کی بلندی، آفاقیت اور جدتِ ادا کی بدولت اعلیٰ پائے کی ہے۔ان کی یہ غزل سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے جس میں انھوں نے استفہام کے استعمال سے کلام میں اثر و تاثیر اور حُسن و دل کشی پیدا کی ہے۔

اس شعر میں غالبؔ نے ذُو معنی بات کی ہے۔ایک مطلب میں وہ لوگوں کو دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کر رہے ہیں جب کہ دوسرے مطلب میں وہ محبوب کو بھلائی یعنی اپنے ساتھ وفا کرنے کو کہتے ہیں۔جہاں تک دوسروں کے ساتھ بھلائی کی بات ہے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے اور انسانیت کی معراج ہے۔حدیثِ نبویؐ ہے:

"لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے"

اس لیے اللہ والے یعنی درویش لوگ انسان کو انسانیت سکھانے اور اللہ کی طرف بلانے کے لیے ہمیشہ سے بھلائی کا درس دیتے آئے ہیں۔غالبؔ کا مطلب بھی یہی ہے کہ درویشوں کو کسی سے بھلا کیا بیر یا تقاضا ہو سکتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کو کہتے ہیں۔

شعر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ غالبؔ اپنے محبوب سے اس کی بے وفائی کا شکوہ کرتے ہیں۔دراصل اردو شاعری میں عاشق و محبوب متضاد خصوصیات کے دو کردار ہیں۔عاشق کو اپنے شوق، طلب و تمنا، جذبۂ صادق اور وفاؤں کے بدلے میں محبوب کی طرف سے ہمیشہ بے رخی، بے اعتنائی، عدم توجہی اور بے وفائی ہی ملتی ہے۔غالبؔ کے ساتھ محبوب کا رویہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔اس لیے وہ شکوے کے انداز میں کہتے ہیں کہ سوائے وفا کے ان کا اور کوئی تقاضا نہیں ہے۔

تجھ سے پاسِ وفا ذرا نہ ہوا
ہم سے پھر بے ترا گلہ نہ ہوا

شعر 6۔

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

مفہوم : اے محبوب! میں تمھیں دعائیں دینے سے بڑھ کر عملی طور پر تمھارے لیے جان دینے کے لیے بھی تیار رہوں۔

تشریح:۔

غالبؔ ہر دور کے اہم شاعر ہیں۔ان کی اردو غزل مضامین کی رنگا رنگی، تخیل کی بلندی، آفاقیت اور جدتِ ادا کی بدولت اعلیٰ پائے کی ہے۔ان کی یہ غزل سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے جس میں انھوں نے استفہام کے استعمال سے کلام میں اثر و تاثیر اور حُسن و دل کشی پیدا کی ہے۔

اس شعر میں غالبؔ اپنے محبوب کو اپنے جذبۂ صادق کا یقین دلاتے ہیں کہ ان کا عشق محض محبوب کے بارے میں نیک خواہشات اور دعائیں دینے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اس کی خاطر عملی طور پر اپنی جان دینے کے لیے بھی ہمہ وقت تیار ہیں۔

''اپنی ذات میں فنا ہو کر جس کی ذات میں بقا ہونا منظور ہو، اسے محبوب کہا جاتا ہے۔''

ایک عاشق کا جذبۂ صادق یہی ہوتا ہے۔وہ محبوب کی راہ میں کسی بھی قسم کی معذوری و مجبوری کو کفر تسلیم کرتا ہے۔محبوب کی پسند اس کی پسند ہوتی ہے اور محبوب کی رضا اس کی رضا ہو جاتی ہے۔وہ محبوب کی خوشنودی کے لیے پہاڑ کھودنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔وہ صحراؤں کی دھول چھان سکتا ہے، وہ طغیانیوں سے لڑ سکتا ہے، وہ انگاروں پر سے گزر سکتا ہے حتیٰ کہ وہ سولی پر لٹک جاتا ہے لیکن جس ذات کو اس نے محبوب مانا ہوتا ہے اس سے جدائی گوارا نہیں کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو اس کا جزوِ ذات بن کر اس کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے۔عاشقِ صادق کے لیے دراصل یہی فنا ہی بقا ہوتی ہے۔شاعر کا عشق بھی اس مقام پر ہے۔وہ ہر حال میں محبوب کی خوشنودی چاہتا ہے۔ اور اس کی خوشنودی کے لیے وہ اپنی جان بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہے کیوں کہ وہ وہ سمجھتا ہے کہ ان کا جذبہ صادق ہے اور صادق جذبے والے جان کی پرواہ نہیں کیا کرتے ہیں۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

شعر 7۔

میں نے مانا کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

مفہوم : اے محبوب! اگر چہ تمھارے لیے غالبؔ کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے لیکن اس کی مفت کی خدمات کو سراہنے میں بھلا کیا برائی ہے۔

تشریح:۔

غالبؔ ہر دور کے اہم شاعر ہیں۔ان کی اردو غزلیں مضامین کی رنگارنگی، تخیل کی بلندی، آفاقیت اور جدتِ ادا کی بدولت اعلیٰ پائے کی ہے۔ان کی یہ غزل سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے جس میں انھوں نے استفہام کے استعمال سے کلام میں اثر و تاثیر اور حُسن و دل کشی پیدا کی ہے۔

اس شعر میں غالبؔ اپنے محبوب کو یہ باور کراتے ہیں کہ اس کی نظر میں اگر چہ ان کی کوئی وقعت نہیں ہے لیکن اگر وہ مفت میں پوری عمر خدمت گزاری میں رہیں تو ان کی خدمات کو سراہنے میں محبوب کو کوئی برائی محسوس نہیں ہونی چاہیے۔دراصل غالبؔ اپنے محبوب سے بے پناہ عشق کرتے ہیں۔عشق کا پہلا مطالبہ محبوب کا قرب ہوتا ہے۔اس قرب کے حصول کے لیے عاشق طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرتا ہے۔حتیٰ کہ اسے محبوب کا خدمت گزار بننا بھی منظور ہوتا ہے۔اس لیے غالبؔ محبوب کو یہی کہتے ہیں کہ وہ مفت میں اس کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں اور ہمیشہ بےلوث اور بے صلہ خدمت میں رہنا چاہتے ہیں۔اگر کوئی مطالبہ ہے تو فقط اتنا کہ محبوب ان کی اس خدمت کو بے کار اور بے سُود نہ سمجھے بلکہ ان کی اس پیش کش کا اعتراف کرے۔لیکن محبوب کا رویہ مالِ مفت دل بے رحم کے مصداق ہے اور وہ غالبؔ کی خدمات کو خاطر میں نہیں لاتا ہے۔اس کے برعکس غالبؔ اس بات پر قائم ہیں کہ محبوب ان کی مخلصی اور وفاداری کو پہچانے اور اپنے رویے میں نرمی پیدا کرے۔بقول ناصر کاظمی

قہر سے دیکھ نہ ہر آن مجھے
آنکھ رکھتا ہے تو پہچان مجھے

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ مرزا غالبؔ کا سن پیدائش ہے۔

(الف) ۱۷۲۵ء (ب) ۱۷۹۷ء (ج) ۱۷۶۴ء (د) ۱۸۴۶ء

2۔ مرزا غالبؔ کا سن وفات ہے۔

(الف) ۱۸۶۹ء (ب) ۱۸۱۰ء (ج) ۱۷۶۴ء (د) ۱۸۴۶ء

3۔ مرزا غالبؔ کے والد کا نام تھا۔

(الف) سعادت علی (ب) مرزا عبداللہ بیگ (ج) خواجہ علی بخش (د) میر علی متقی

4۔ غالبؔ پیدا ہوئے۔

(الف) لکھنؤ میں (ب) دلی میں (ج) آگرہ میں (د) فیض آباد میں

5۔ غالبؔ کے والد جب ایک لڑائی میں مارے گئے تو غالبؔ کی عمر تھی۔

(الف) تین سال (ب) چار سال (ج) پانچ سال (د) سات سال

6۔ والد کے انتقال کے بعد مرزا کی پرورش کی۔

(الف) خواجہ علی بخش نے (ب) سید امان اللہ (ج) نصراللہ بیگ نے (د) عبدالصمد نے

7۔ نصراللہ بیگ کا غالبؔ کے ساتھ رشتہ تھا۔

(الف) چچا تھے (ب) ماموں تھے (ج) تایا تھے (د) خالو تھے

8۔ نصراللہ بیگ ملازم تھے۔

(الف) انگریزی فوج میں (ب) ہندو فوج میں (ج) ہندوستان کی فوج میں (د) سکھ فوج میں

9۔ مرزا غالبؔ کس کے ہمراہ دلی آئے؟

(الف) والد (ب) والدہ (ج) چچا (د) استاد صاحب

10۔ مرزا غالبؔ نے بچپن میں تعلیم حاصل کی۔

(الف) عبدالصمد سے (ب) نصراللہ بیگ سے (ج) والد سے (د) شیخ معظم سے

11۔ مرزا غالبؔ نے فارسی میں مہارت حاصل کی۔

(الف) عبدالصمد سے (ب) نصراللہ بیگ سے (ج) والد سے (د) شیخ معظم سے

12۔ مرزا غالبؔ کی شادی نواب الٰہی بخش معروف کی بیٹی سے کس عمر میں ہوئی؟

(الف) بارہ سال (ب) تیرہ سال (ج) پندرہ سال (د) سولہ سال

13۔ غالبؔ کو پنشن ملتی تھی جس کے اضافے کے لیے انھوں نے سفر کیا۔

(الف) کلکتہ کا (ب) دہلی کا (ج) آگرہ کا (د) لکھنؤ کا

14۔ غالبؔ نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔

(الف) ۱۸۳۰ء میں (ب) ۱۸۴۰ء میں (ج) ۱۸۴۵ء میں (د) ۱۸۵۰ء میں

15۔ نواب یوسف علی خاں والیٔ رام پور نے غالبؔ کا ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔

(الف) پچاس روپے (ب) سو روپے (ج) ڈیڑھ سو روپے (د) دو سو روپے

16۔ غالبؔ دفن ہیں۔

(الف) دلی میں (ب) آگرہ میں (ج) لکھنو میں (د) کلکتہ میں

17۔ غالبؔ کی ہمہ گیر شخصیت کی طرح ان کی شاعری میں بھی بڑا تنوع اور ______ پائی جاتی ہے۔

(الف) بوقلمونی (ب) رنگارنگی (ج) عظمت (د) وسعت

18۔ غالبؔ کی تصنیف نہیں ہے۔

(الف) گل رعنا (ب) دستنبو (ج) قادرنامہ (د) نکات الشعرا

19۔ غالبؔ کی تصنیف نہیں ہے۔

(الف) مہرِ نیمروز (ب) قاطع برہان (ج) لطائفِ غیبی (د) ذکرِ میرؔ

20۔ غالبؔ کی تصنیف ہے۔

(الف) محامدِ خاتم النبین ﷺ (ب) مرآۃ الغیب (ج) عودِ ہندی (د) نکات الشعرا

21۔ آخر اس ___ کی دوا کیا ہے

(الف) درد (ب) غم (ج) عشق (د) محبت

22۔ ہم ہیں مشتاق اور وہ _____

(الف) آزاد (ب) بیزار (ج) طلب گار (د) شاہ کار

23۔ کاش پوچھو کہ _____ کیا ہے

(الف) مدعا (ب) غرض (ج) مطلب (د) مقصد

24۔ ہم کو ان سے _____ کی ہے اُمید

(الف) محبت (ب) وفا (ج) عشق (د) دعا

25۔ ہاں بھلا کر تیرا _____ ہوگا

(الف) بھلا (ب) اچھا (ج) بہتر (د) وفا

26۔ جان _____ پر نثار کرتا ہوں

(الف) اس (ب) محبوب (ج) تم (د) تجھ

جوابات

د	10	ب	9	ا	8	ا	7	ج	6	ج	5	ج	4	ب	3	ا	2	ب	1
ج	20	د	19	د	18	ا	17	ا	16	ب	15	د	14	ا	13	ب	12	ا	11
								ج	26	ا	25	ب	24	ا	23	ب	22	ا	21

سوالات کے مختصر جوابات

سوال 1: شاعر کو کن سے وفا کی امید ہے؟

جواب: شاعر کو ان سے وفا کی امید ہے جو 'وفا' کا معنی و مفہوم بھی نہیں جانتے ہیں یعنی شاعر اپنے حد درجہ بے وفا محبوب سے وفا کی توقع کرتا ہے۔

سوال 2: شاعر نے کسے ناداں کہا ہے؟

جواب: شاعر اپنے دل کو ناداں کہا ہے۔

سوال 3: کون مشتاق ہے اور کون بیزار؟

جواب: عاشق یعنی شاعر مشتاق ہے اور اس کا محبوب اس سے بیزار ہے۔

سوال 4: درویش کے لب پر کیا صدا ہے؟

جواب: درویش کے لب پر یہ صدا ہے کہ دوسروں سے بھلائی کیا کرو تا کہ خدا تمھارے ساتھ بھلائی کرے۔

سوال 5: غالبؔ نے مقطع میں محبوب کو اپنی کیا قیمت بتائی ہے؟

جواب: غالبؔ نے **مقطع** میں محبوب کو اپنی کوئی قیمت نہیں بتائی ہے یعنی انھوں نے خود کو محبوب کی خدمت میں بالکل مفت پیش کیا ہے۔

سوال 6: مرزا غالبؔ کی تصانیف کے نام لکھیں؟

جواب: مرزا غالبؔ کی تصانیف یہ ہیں:

دیوانِ غالبؔ (اردو)، دیوانِ فارسی، گلِ رعنا، مہرِ نیمروز، دستنبو، قاطع برہان، لطائفِ غیبی، قادر نامہ، عودِ ہندی اور اردوئے معلی

سوال 7: کنایہ سے کیا مراد ہے؟ مثالوں سے واضح کریں۔

جواب: کنایہ کے لغوی معنی ''چھپی ہوئی بات کرنے'' کے ہیں۔ اصطلاح میں کنایہ ایسے لفظ یا الفاظ کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جو مجازی یا غیر حقیقی معنوں کے لیے استعمال کیے جائیں۔ کنایہ کے مجازی معنی لغوی معنی سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر یہ تعلق تشبیہ کا نہیں ہوتا۔

مثالیں:

ا۔ اس کو کالے نے کاٹا۔ کالا یہاں سانپ کا کنایہ ہے۔

۲۔ اپنے سفید بالوں کا کچھ خیال کرو۔ سفید بال یہاں بڑھاپے کے لیے کنایہ ہیں۔

۳۔ وہ بڑا تنگ دل ہے۔ تنگ دل یہاں گھٹیا اور کنجوس آدمی کے لیے کنایہ ہے۔

سوال 8: *سہلِ ممتنع* سے کیا مراد ہے؟

جواب: چھوٹی بحر میں بڑی بات کہہ جانا یا ایسی بات کہنا جس کے معنی بظاہر سادہ ہوں لیکن غور کرنے پر زیادہ وسعت نظر آئے، سہل ممتنع ہے۔ جیسے:

شہر میں شور، گھر میں تنہائی
دل کی باتیں کہاں کرے کوئی